زرقا اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دوستی کا لمحہ دونوں کے قریب آیا اور پھر لوٹ گیا۔

"تم نے ایسی بات کیا سوچ کر کہی لیلیٰ ——"

"آپا —— مجو بھائی انسان ہیں آپ انہیں دیوتا کیوں سمجھتی ہیں؟"

زرقا اپنا تکیہ اور چادر اٹھاتے ہوئے بولی "میں ایک لمحہ اور اس کمرے میں نہ گزاروں گی۔ تم نے مجو کو کیا سمجھا ہے؟"

اگر مجو دیوتا نہ ہوتا تو کیا میں اس سے محبت کرتی؟ —— آج مجو کو جانتے مجھے پانچ سال ہو گئے ہیں لیکن اس نے کبھی ایسی کوئی حرکت نہیں کی جو میرے لئے کسی قسم کی پریشانی یا پشیمانی کا باعث بنتی۔ اگر.... اگر....."

لیلیٰ اپنے پلنگ پر واپس چلی گئی اور اپنے آپ سے بولی —— "آپا تم میری بات نہ سمجھنے پر تلی ہو"

زرقا نے تکیہ اور چادر اٹھا کر دروازے کا رُخ کیا۔ اور دروازے کے قریب رک کر بولی —— "بہنوں کو آپس میں چاہے کتنی بھی محبت کیوں نہ ہو کتنی کتنی بے تکلفی کیوں نہ ہو پھر بھی لیلیٰ ایک قسم کا حجاب لازمی ہے"

"کہاں چلی ہو آپا ——"

"سٹور میں سوؤں گی میں آج سے" زرقا بولی۔

"نہیں سو جاؤ آپا میں اب نہ بولوں گی مجھے معاف کر دو"

لیکن جب زرقا چلی گئی اور لیلیٰ نے کمرے کی بتی بجھا دی تو بستر کا رُخ کرنے کے بجائے وہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی اور سڑک پر اترنے والے روشنی کے اُس تختے کو دیکھنے لگی جس میں دو چوٹیوں والی ایک لڑکی کا سایہ پڑ رہا تھا۔ —— اس سائے نے لمبا سا سانس لے کر کہا —— ابھی کل میں کتنی خوش تھی! —— ابھی کل تک مجھے معلوم نہ تھا کہ کسی کا گرم ہاتھ جب پاؤں

میں لے جاتا ہے تو پانی سے خوف نہیں آتا۔ لیکن کئی اور خوف جاگ اُٹھتے ہیں۔

❖ ❖ ❖

رات بہت جا چکی تھی۔ سارا گھر خاموشی میں لپٹا ہوا تھا۔

مجو جب بھی اپنی خالہ کے ہاں آتا تو ڈرائنگ روم کے دیوان پر بستر بچھا کر سوتا تھا۔ لیکن آج اسے نیند نہ آ رہی تھی۔ ڈبہ بھر سگریٹیں پینے کے بعد گلے میں جلن ہونے لگی تھی اور سینے میں سے دھونکنی کی سی آواز آتی تھی۔ اس گھر کے در و دیوار سے زرقا کی بو باس آ رہی تھی۔ اور اس بو باس میں عجب حلاوت تھی ایسی حلاوت جو دھونے ہوئے گلے کے لئے امرت رس کا کام دیتی تھی۔

شام کا فلم اس پر عجب تاثر چھوڑ گیا تھا۔ FROM HERE TO ETERNITY کا وہ سین جہاں برٹ لنکاسٹر سمندر کنارے ڈبرا کر سے والہانہ اظہار محبت کرتا ہے اس کے لئے عجب کش مکش کا باعث بنا ہوا تھا۔ شام کو وہ بھی تو پانیوں میں اترا تھا لیکن اب اس کا بند بند درد کر رہا تھا اور وہ سوچ تھا کہ اس جہنم کی آگ سے تو موت بہتر ہے کم از کم ایک بار فیصلہ تو ہو ہی جاتا ہے ——

جب کبھی وہ کوئی رسالہ یا کتاب الماری میں سے نکال کر پڑھنے لگتا تو اس کے سامنے سمندر کی طوفانی لہریں اور پھر محبت کی وارفتگی میں لپٹے ہوئے دو شخص آ جاتے۔ وہ سوچنے لگتا کہ بفرضِ محال زرقا اور میں اس طرح سمندر کنارے تنہا رہ بھی جائیں تو کیا زرقا اس والہانہ جنونی اظہار عشق کی متحمل ہو سکتی ہے جو بعض اوقات میرے دل میں راتوں رات موجزن رہتا ہے؟ اور کیا زرقا اس وارفتگی کی حامل بھی ہو سکتی ہے جو محض اُس عورت کو نصیب ہوتی ہے جس نے زندگی میں سب کچھ کھو دیا ہو جس کی کوکھ بانجھ ہو چکی ہو زندگی ایک لق و دق صحرا ہو اور وہ آخری بار بھک کر بلبلا کر چاند کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

kitaabiyat.pk

مجو کا حلق کچھ اس طرح خشک ہو چکا تھا کہ بار بار تھوک نگلنے کے بعد اب تھوک بھی حلق سے نیچے نہ گزرتا تھا اس نے سرہانے پڑا ہوا چھوٹا سا بیڈ لیمپ جلایا۔ دیوان کے نیچے دھرے ہوئے سلیپر ڈھونڈے ان میں پیر ٹھونسے اور پھر غسلخانے میں جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

منہ ہاتھ دھو کر جب اس نے بار بار کلی کی اور پانی پیا تو اُسے لگا ساتھ والے سٹور میں سے کسی نے دروازہ کھولا روشنی کا دروازے برابر تختہ صحن میں سرچ لائیٹ کی طرح پڑا پھر پٹ بند ہو گئے لیکن دونوں در آدھ کھلے ہونٹوں کی طرح روشنی کی فٹ بھر لکیر صحن پر ڈالتے رہ گئے اور مجو نے محسوس کیا اس دروازے کے پیچھے سے کسی نے جھانک کر دیکھا اور پھر دروازہ اچھی طرح بند کئے بغیر ہی لوٹ گیا۔

پانی پینے کے بعد مجو لمحہ بھر کو سٹور کے ادھ کھلے دروازہ کے سامنے رکا۔ اندر بڑی کم روشنی کا بلب روشن تھا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ لنٹل کی سل پر چھوٹے بڑے ہر سائیز کے ٹرنک پڑے ہوئے تھے اور ان ٹرنکوں پر جھالردار سفید غلاف بڑے قرینے سے یوں پڑے تھے۔ گویا مقبروں پر چادریں چڑھی ہوں۔ کمرے میں سے پرچون کی دوکان کی خوشبو کے بھبھاکے اُٹھ رہے تھے۔ ان خوشبوؤں کے درمیان آم اور لیموں کے اچار کے بڑے مرتبانوں کے ساتھ زرقا چارپائی بچھائے اوندھی لیٹی تھی اس کی چوٹی رخسار کو چھوتی ہوئی تکیئے کے نیچے فرش کو چھو رہی تھی رخساروں پر پلکوں کے لمبے لمبے سائے تھے اور وہ دونوں ہتھیلیوں پر ٹھوڑی جمائے گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔

جس وقت مجو نے دروازہ ہولے سے بند کیا۔ اس کی نیت یہی تھی کہ وہ اس سوئی ہوئی بچی کی لٹکتی چوٹی کو آنکھوں سے ہٹا کر واپس چلا جائے گا۔ دروازہ

اس نے محض اس ڈر سے بند کر لیا تھا مبادا کوئی اس کی طرح غسلخانے کا رخ کرنے آئے اور سٹور کی بتی جلتی دیکھ کر اندر آجائے۔

لیکن جونہی اس نے دروازے کی کنڈی لگائی۔ زکی چوکنی ہو کر اٹھ بیٹھی اور دوپٹہ تلاش کرنے لگی۔

"آپ نے دروازہ کیوں بند کر دیا"

زرقا کے چہرے پر ہلدی کا غبار چھا گیا۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے زکی"

"کہیئے ——"

اس نے اکتا کر کہا۔

"میں یہاں بیٹھ جاؤں تمہاری چارپائی پر؟"

زرقا خاموش رہی اور مجو اس کی چارپائی پر یوں بیٹھا جیسے کوئی اپنے پیرومرشد کے پاس دوزانو ہو کر بیٹھتا ہے۔

"کہیئے؟"

زرقا چادر میں اپنے گھٹنے اور بازو چھپاتی ہوئی بولی۔

"کچھ دیر تو مجھے خاموشی سے اس نعمت کا شکریہ ادا کر لینے دو کہ بالآخر میں تمہارے ساتھ ہوں ——"

"میں دروازہ کھول دیتی ہوں اندر گرمی ہو گئی ہے" زرقا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اور جب زرقا دروازہ کھولنے کے لئے اٹھ رہی تھی۔ تو مجو کو اس بے اعتباری کچھ اس طرح غصہ آیا کہ اُس لمحہ اس کے جی میں انسان کی ازلی درندگی نے سر اٹھایا اور اس کا جی چاہا کہ پانچ سال کی ساری تپسیا کو اس درندگی اور وحشت کے سپرد کر دے۔ زرقا کو اس پر اتنا ہی اعتماد تھا؟ کیا مڈل کلاس کی لڑکی مرد کو ہمیشہ درندہ ہی سمجھتی رہے گی؟

لیکن پھر دوسرے لمحے اس کی نظر زرقا کے گلے پر پڑی عین بائیں جانب کان کی لو سے کچھ نیچے زرقا کی ایک رگ بُری طرح پھڑک رہی تھی شہد کی دھار کسی بلوریں مینا میں اتر رہی تھی۔

مجو نے آہستہ سے زرقا کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ اور شہد کی اس دھار پر اپنے کڑوے اور خشک ہونٹ رکھ دیئے۔

زرقا کے لئے جیسے سٹور کا بلب فیوز ہو گیا۔ سارے فلیٹ کی بتیاں غائب ہو گئیں۔ چاند پنہائیوں میں غوطہ لگا گیا ساری کائنات اندھیرے میں ڈوب گئی اور وہ بپھری ہوئی زخم خوردہ شیرنی کی طرح مجو سے علیحدہ ہو گئی اور گردن ہلاتے ہوئے بولی ——— "آپ کو دیوتا سمجھ کر میں نے آپ کی پرستش شروع کر دی تھی ——"

منوڑے والے پیر کے حضور مانگی ہوئی دعا پوری ہو چکی تھی۔

خلوت کا لمحہ آکر بیت چکا تھا۔

مجو کی نظروں میں عجب قسم کی سرد مہری تھی۔ اس نے طنز بھرے لہجے میں کہا ——— "پھر تو تم نے پانچ سال دھوکا کھایا زرقا میں تو انسان ہوں ——— گوشت پوست کا بنا ہوا انسان نہایت ادنیٰ ——— نہایت"

زرقا سسکیاں بھرتے ہوئے بولی ——— "لیلیٰ بھی یہی کہتی ہے ——"

مجو نے کہا ——— "پھر تو لیلیٰ تم سے سیانی ہے"

زرقا بپھری ہوئی دروازے تک پہنچی نہایت احتیاط سے اس نے چٹخنی اس طرح اتار لی کہ ہلکا سا شور بھی نہ ہوا پھر اوہ کھلا پٹ دکھاتے ہوئے بولی ——— "مجو! میں اُمید کرتی ہوں کہ صبح تم یہاں نہ ہو گے"

"زرقا!" اس بات کی مجو کو ہرگز توقع نہ تھی۔

"زرقا!"

"تم نے میرا آئیڈیل توڑ دیا ہے، تم نے میری پرستش کو گناہ آلود ہاتھوں سے ملوث کر دیا ہے ـــــ تم ..... نے تم نے ....."

زرقا کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہنے لگے۔

مجو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا ـــــ "اگر تم میرے قرب سے اتنی پریشان نہ ہوتیں زرقا تو اس وقت میں تمہارے آنسو اپنی پلکوں سے پونچھتا"

زرقا پیچھے ہٹی آگ کا شعلہ اُسے چھو گیا تھا۔

"میں کہہ رہی ہوں مجو یہ گھر چھوڑ کر چلے جاؤ صبح کی روشنی تمہیں یہاں نہ دیکھے"

"اس وقت بھلا میں کہاں جاؤں زکی؟"

"میں نہیں جانتی انور کے پاس چلے جاؤ کہیں بھی چلے جاؤ ـــــ بس چلے جاؤ"

مجو نے دروازے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا ـــــ "پانچ سال کی محبت کا یہی صلہ ہوتا ہے کیا؟"

زرقا نے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا لیا اور بلک کر بولی ـــــ "تم نے بھی پانچ سال کی تپسیا کا اچھا صلہ دیا ـــــ مجو! اگر تمہاری ہوس میں ذرا بھی محبت کا شائبہ ہے۔ تو خدا کے لئے چلے جاؤ"

"اور اگر میں چلا گیا تو کیا تم سمجھ لو گی کہ مجھے تم سے محبت تھی ـــــ یعنی اس ہوس کے واقعہ سے پہلے؟"

"ہاں! ـــــ"

مجو نے جھک کر اس کی مانگ کو ایک بار الوداعی بوسہ دینا چاہا لیکن پھر ہاتھوں میں منہ دیئے روتی ہوئی زرقا کو چھوڑ کر وہ اماں جی کے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے

kitaabiyat.bl

سر میں شدید درد ہو رہا تھا اور وہ جانتا تھا کہ عین رانی کی تپائی پر رات ہی کو لیلی نے اسپرو کا ایک پیکٹ رکھا تھا اماں جی نے آنکھیں کھولیں پھر کروٹ بدل کر سو گئیں۔

٭ ٭ ٭

جس وقت لالو کوہیت والوں کے فلیٹ کی سیڑھیوں میں پہنچا رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ اگر لالو شام کو ان کے پڑوسیوں کو باکس بے کی طرف جاتے نہ دیکھ لیتا تو شاید وہ اس وقت یہاں آنے کا تردد بھی نہ کرتا!

وہ اس فلیٹ کے کونے کھدروں سے خوب واقف تھا۔ آہستہ آہستہ وہ کوہیت والوں کے پڑوسیوں کے فلیٹ کے سامنے جا پہنچا۔ یہاں سامنے والے شہ نشین کے ساتھ ساتھ لٹک کر وہ پڑوسیوں کے فلیٹ میں اس جگہ پہنچا جہاں ان کی دیوار اوپر کو اٹھتی تھی دیوار بالشت بھر اس کے قد سے اونچی تھی۔ وہ شہ نشین کے ساتھ لٹک کر یہاں اس لئے پہنچا تھا کہ سامنے والی بلڈنگ کی تیز روشنی ان فلیٹوں پر پڑتی تھی۔ شہ نشین کے چھجے پر گلہری کی طرح پاؤں جما کر ایک بار اس نے نیچے کی طرف نظر کی۔ سڑک کتنی دور کیسی سنگین نظر آتی تھی۔ اس نے نظریں بند کر لیں پھتو کی بتائی ہوئی ساری ترکیبوں کو ذہن میں پھرایا چیتے کی طرح جست بھری اور دیوار پر دونوں ہاتھ ٹکا لئے۔

ہاتھوں کا اٹکنا تھا کہ دیوار لالو کے وجود تلے آ گئی۔ پڑوسیوں کے گھر میں مکمل اندھیرا تھا۔ لالو گربہ پائی کے ساتھ دیوار سے اترا۔ دھپ کی سی آواز آئی۔ تنور میں کسی نے رفیدے کے ساتھ روٹی لگائی اور بس!

لالو نے باورچی خانے کے سامنے پڑی ہوئی گھڑونچی پر سے گھڑا انڈیل کر پانی پیا۔ اس سے پہلے وہ کبھی ایسے کام پر نہ نکلا تھا اور پھتو کی ساری تربیت

کے باوجود اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں اور بار بار اُسے وہم سا ہو جاتا کہ اسے ہچکی لگ جائے گی۔

اس ہچکی کی آواز سن کر ساری بلڈنگ جاگ اٹھے گی اور وہ پکڑا جائے گا:

اسے اچھی طرح علم تھا کہ کویت والوں کے فلیٹ میں اور اس فلیٹ کے درمیان جو لکڑی کی دیوار ہے وہ بوسیدہ ہے اسے آسانی سے کھولا جا سکتا ہے اور پھر اسے یوں بند بھی کیا جا سکتا ہے کہ کسی کو شبہ تک نہ گزرے کہ چور ادھر سے آیا تھا ـــــ ان تمام باتوں کے باوجود وہ دیوار کے ساتھ اکڑوں ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس کی نظروں میں رکھی کا چہرہ بار بار ابھر رہا تھا، مٹی، دھول اور چیکٹ سے بکھرے ہوئے بالوں میں ایک معصوم سا چہرہ!

جب بٹوارہ ہوا تھا تو وہ آٹھ مہینے کی تھی۔ لالو اسے اپنی گود میں اٹھا کر اپنے دیس سے لایا تھا۔ جہاں کہیں خطرہ زیادہ ہوتا وہ اُسے کھیس کی بکل میں چھپا لیتا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ بے رحم لوگ لڑکیاں بھی اٹھا کر لے جاتے ہیں اور پھر یہ لڑکیاں کبھی بھائیوں سے نہیں ملتیں یہ لڑکیاں پھر کبھی بھائیوں کے سہرے نہیں گاتیں۔ ـــ اور دوسرے مذہب کے آدمی ان کا ایمان تک چھین لیتے ہیں اور وہ پھر کبھی گھر لوٹ کر نہیں آتیں ـــــ ان کے بھائی بارڈر کے پار بلاتے ہیں لیکن وہ نہیں آسکتیں ـــــ اس وقت وہ نہ تو ایمان کے معنی جانتا تھا نہ ہی اُسے اچھی طرح سے علم تھا کہ عصمت کیا چیز ہوتی ہے؟ ایمان کسے کہتے ہیں؟ اُسے تو اتنا بھی پتہ نہ تھا کہ آخر لڑکیوں کو جب بھائی بلاتے ہیں تو وہ آتیں کیوں نہیں؟ لیکن اس لاعلمی کے باوجود وہ سوچتا تھا کہ اگر اللہ رکھی ہمارے پاس نہ رہی تو میں دودھ جلیبیاں کسے کھلاؤں گا؟ سکول سے واپسی پر کھٹی میٹھی گولیاں کس کے لئے لاؤں گا۔ ماں جو بھی خرچ دیتی تھی وہ اسے کبھی خرچ نہ کرتا تھا کبھی تو اللہ رکھی کے

لئے غبارہ لے آتا کبھی گولیاں اور کبھی رنگین توتا ساتھ ہوتا جو ربڑ کی پتلی سی تار سے بندھا ہوتا اور چھوٹے چھوٹے جھٹکوں پر ہوا میں ڈبکیاں لگاتا تھا توتے کو دیکھ کر رکھی بہت خوش ہوتی اچھل اچھل کر اسے چھونے کی کوشش کرتی تالیاں پیٹتی لیکن لالو توتا اس کے ہاتھ میں نہ دیتا۔ جونہی وہ رکھی کے ہاتھ میں آجاتا وہ غوں غوں کرکے اسے اپنے گنتی کے دانتوں سے پھاڑنے لگتی۔ کچا رنگ ڈھل ڈھل کر اس کی فراک کو گندہ کرنے لگتا اور ماں جھڑک کر کہتی ——" لال دین! تجھے کچھ ہوش نہیں لڑکے سارے کپڑے خراب ہو جائیں گے رکھو رانی کے! —" —— وہ ہنس کر کہتا ——" لیکن ماں دیکھ تو سہی خوش کتنا ہوتی ہے توتے کو دیکھ کر!"

ماں کے جھڑکنے کے باوجود وہ قریباً روز ہی اکنی کا توتا لایا کرتا تھا۔ پھر ایک دن اچانک ماں نے کہہ دیا ——" مجھے پتہ ہے تو اس کی جان لے کر رہے گا لال دین —— ہزار بار کہہ چکی ہوں توتا نہ لایا کر نہ لایا کر لیکن تجھے تو ضد ہے میری ہر بات سے ——"

" ماں دیکھ تو کیسی خوش ہو رہی ہے ——"

" ہاں خوش ہو رہی ہے اور مر جائے گی تو تو خوش ہو لینا پتہ نہیں اس میں زہر ہوتا ہے زہر ——"

" کس میں زہر ہوتا ہے ماں اس توتے میں؟" لالو نے گھبرا کر پوچھا۔

" کچے رنگ میں اور کس میں؟"

لالو کے باپ نے حقہ کی نے علیحدہ کرکے کہا ——" لال کی ماں! دیکھ تو بچہ کیسا سہم گیا ہے زہر وہر کوئی نہیں ہوتا بیٹے بس کپڑے خراب ہوتے ہیں۔"

تب لالو کا باپ زندہ تھا اور اگر وہ آج زندہ ہوتا تو شاید آج بھی کوئی اس کی پیٹھ پر تھپکی دے کر کہتا لالو! زندگی زہر سے عبارت نہیں ـــــ یہاں انسان اپنی عزت خراب کرنے سے ڈرتا ہے ـــــ لیکن لالو کو تو تب بھی اپنے باپ کی بات پر اعتبار نہ آیا تھا تو اب کیا آتا؟ اُس دن کے بعد وہ پھر کبھی رکھی کے لئے تو تا نہ لا سکا! اور اس وقت وہ ڈر رہا تھا کہ جو کچھ آج میں رکھی کے لئے لے کر جاؤں گا اگر اس کا رنگ بھی کچا ہوا تو؟

بٹوارے کے ہاتھوں بچائی ہوئی اللہ رکھی جس کے پھولے پھولے گالوں میں کبھی وہ چٹکی بھر لیتا تھا تو لہو کی بوندیں رخسار پر جم کر رہ جاتیں تھیں۔ اُس چٹی گوری اللہ رکھی کی رنگت اب دار چینی جیسی ہو گئی تھی۔ چچا کے گھر کے برتن مانجھتے مانجھتے اس کے ہاتھوں میں گہری لکیریں کیچوؤں کی طرح پھیل گئی تھیں۔ وہ تاروں کی چھاؤں میں اُٹھتی تھی اور خدا جانے کب سوتی تھی؛ لالو نے تو ایک عرصہ سے اُسے مسکراتے بھی نہ دیکھا تھا ـــــ اور ماں کو یہ فکر تھی کہ وہ اسے چچا کے ہی لڑکے سے بیاہے گی۔ چچا کا بیٹا شبیر ادمنی بس میں ڈرائیور تھا۔ جب گھر آتا تو یوں گرج کر رکھی کو بلاتا جیسے وہ ان کی لونڈی ہو جیسے انہوں نے رکھی کو روٹیوں کے عوض خرید لیا ہو۔ لالو کو تو یہی خیال تھا کہ چچا کے گھر پہنچ کر وہ بھی سکول جایا کرے گا اور واپسی پر رکھی کے لئے میٹھی گولیاں ہی لایا کرے گا لیکن ـــــ جب صبح سے شام تک چچا کے گھر میں نوکروں کی طرح کام کرنے کے بعد اُسے رکھی کے لئے دو پیسے بھی نہ ملتے تو وہ گھر سے بھاگ نکلنے کے خواب دیکھا کرتا!

جس روز وہ ماں کی آخری انگوٹھی بیچ کر کراچی کے لئے تیار ہوئے تو لالو کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ رکھی پیچھے رہ جائے گی۔ اس نے ماں کی منتیں کیں۔ لاکھ بار سمجھایا لیکن ماں کی وہی ضد رہی کہ پردیس میں سیانی لڑکی کو لے جانا ٹھیک

نہیں آخر اپنے گھر میں ہے جب ہم کچھ مال لے کر آئیں گے تو اسی گھر میں اسے دلہن بنا کر بشیر کے سپرد کر دیں گے پھر اب کرایہ خرچ کر کے کیوں ساتھ لے جائیں ان ہی پیسوں سے اس کا کچھ بن جائے گا!

اب بھی لالو کی نظروں میں رکھی کا چہرہ گھوم رہا تھا اس نے جا بجا سے پھٹا ہوا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ کانوں کے ارد گرد گردن پر مٹیالے چکٹ جمے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔

لالو نے اس پر جھک کر پوچھا تھا" بتا کراچی سے تیرے لئے کیا لاؤں رکھی؟"

تو آنکھوں میں سہمے ہوئے آنسو گالوں پر بہہ نکلے وہ لالو کے بازو سے یوں چمٹ گئی جیسے اس بازو سے علیحدہ نہ ہونے کی قسم کھا چکی تھی!—

لالو نے رکھی کے رخسار کو ہتھیلی سے تھپتھپا کر کہا تھا" رکھی میں تیرے ہی لئے تو کراچی چلا ہوں وہاں سنا ہے لوگ نوکروں کو بہت بہت تنخواہیں دیتے ہیں۔ اتنا پیسہ لے کر آؤں گا تیرے لئے اتنا پیسہ ——"

"مجھے پیسہ نہیں چاہیے لالو" وہ سسکیاں بھرتی ہوئی بولی۔

"ارے پگلی پیسہ نہ ہوا تو چاچا تجھے کب چھوڑے گا؟ میں اس لالچی کے منہ پر پیسے پھینک کر تجھے ساتھ لے جاؤں گا..... رکھی ..... رکھی ..... رکھی"

لیکن رکھی اس کے ساتھ چمٹی ہوئی روتی رہی اس کا دنیا میں کوئی سہارا باقی نہ رہا تھا۔

"دیکھ میں تجھے کار والے صاحب سے بیاہوں گا بیوقوف ایسے صاحب سے جس کا بشیر ڈرائیور ہو گا رکھی" رکھی نے ڈبڈبائی ہوئی نظریں اوپر اٹھائیں مسکرانے کی کوشش کی لیکن دو موٹے موٹے آنسو اس کے لبوں پر آ گرے ——

لالو کی نظروں میں اب بھی رکھی کی شکل گھوم رہی تھی —— اور اسے اپنی بہن

کے ساتھ کیا ہوا وعدہ لکڑی کی دیوار کھولنے کی دعوت دے رہا تھا۔ بھلا وہ دیوار پار نہ جاتا تو اور کرتا بھی کیا؟ اس نے جی سے پوچھا۔ کویت والے بہت اچھے تھے۔ تنخواہ بھی دیتے تھے۔ لیکن تنخواہ میں سے دس روپے رکھی کو بھیجنے کے بعد آخر اس کے پاس بچتا ہی کیا تھا۔ وہ تو اگر بھتو کا سہارا نہ ملتا تو کراچی جیسی جگہ میں دو دن کاٹنے بھی محال ہو جاتے، بھتو اسے کیا ملا جیسے رکھی سے کئے ہوئے وعدے کے ایفا کا سہارا مل گیا۔ وہ ہولے ہولے رینگ رینگ کر اس دیوار کے سائے میں آ بیٹھا۔

سٹور کی بتی جلے جا رہی تھی۔

بس اس بتی کے بجھنے کی دیر تھی اور پھر راہ بالکل صاف تھی۔ اماں جی کی چارپائی تلے اور رانی بی بی کی الماری کے ساتھ جو ٹرنک تھا اس میں زرقا بی بی کا سارا جہیز پڑا ہوا تھا۔ کویت سے آیا ہوا ریشم۔ پشمینہ کمخواب اور زری کے سوٹ شنیل کی قمیصیں غرارے اور زیور! ——— زیور کا تو کوئی حساب ہی نہ تھا۔ خان صاحب ہر بار کویت سے سونا لاتے تو بیسیوں چوڑیاں نکلس اور بالیاں وغیرہ بنتیں زیادہ زیور تو بنک میں محفوظ تھا لیکن لالو کو خوب علم تھا کہ پانچ سات ہزار کا زیور ابھی تک چمڑے کے سوٹ کیس میں موجود ہے۔

سٹور کی بتی جل رہی تھی ——— پھر دروازہ بند ہو گیا۔

لالو نے لکڑی کے تختوں پر تھوڑا سا دباؤ ڈالا۔ تختے لکڑی کے ڈنڈے سے علیحدہ ہو گئے اور سر نکالنے کا راستہ پیدا ہو گیا۔ لالو نے اس میں سے سر نکالا اور زنبور سے ڈھیلے ڈھالے کیل نکالنے لگا۔ پھر ڈرائنگ کا دروازہ کھلا۔ گہری نیلی دھاریوں والا نائیٹ سوٹ پہنے مجو میاں باہر نکلے۔ اُن کے بال بکھرے ہوئے تھے آنکھوں کے نیچے گڑھے تھے اور ان کی چال سے لگتا تھا جیسے انہوں نے کوئی نشہ کر رکھا تھا۔

چال لڑکھڑائی ہوئی تھی اور وہ بالوں میں ہاتھ پھیر رہے تھے۔ لالو نے انہیں دیکھتے ہی سر اندر کر لیا۔ اگر اس وقت مجو بھائی کو خیال ہوتا تو انہیں باورچی خانے کی دیوار میں سے ایک تختہ غائب نظر آتا لیکن وہ سیدھے غسلخانے میں گھس گئے۔

سٹور کا دروازہ کھلا روشنی کا تختہ صحن میں پڑا۔ زرقا بی بی سیاہ دھاریوں والی قمیص میں نمودار ہوئی انہوں نے باورچی خانے کی جانب نظر کی اور پھر ادھ کھلا پٹ چھوڑ کر اندر لیٹ گئیں لالو سہم کر اور پیچھے ہو گیا۔ پھر مجو بھائی منہ دھو کر باہر نکلے سٹور کے ادھ کھلے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔

لالو نے کھلے تختے میں سے اندر چہرہ نکالا۔ زینے سے دو تختے اور ادھیڑے اور سیدھا اماں جی کے کمرے میں چلا گیا اسے خوب علم تھا کہ اماں جی کے پلنگ تلے بوقت ضرورت چھپنے کی کتنی جگہ ہے۔

اور پھر اس کے پاس پھپھو والا رومال بھی تو تھا۔ اس نے ایک بار پھر شلوار کے نیفے میں اڑسے ہوئے رومال کو ٹٹولا ـــــ آہستہ سے اسے نکالا اور پھر اماں جی پر جھک گیا۔

٭ ٭ ٭

لیلیٰ سڑک کی جانب کھلنے والی کھڑکی میں گم سم کھڑی تھی۔

اس نے کوئی ہزار ویں مرتبہ جی میں سوچا کہ کسی طرح زرقا آپا کو منا کر لے ہی آؤں لیکن آج نہ جانے کیا بات تھی کہ کسی کو منانا آسان نہ تھا۔ ابھی کل اگر زرقا آپا یوں ناراض ہو جاتیں تو وہ کسی نہ کسی طرح انہیں منا ہی لاتی۔ لیکن چوبیس گھنٹوں نے اس کی انا جگا دی تھی اور چڑھے چاند کی روشنی میں بپھرنے والی سمندری موجوں کی طرح اُس کا جی بے قابو ہو رہا تھا۔ لاسٹ سیٹرڈے ـــــ سنڈے..... لاسٹ سیٹرڈے سنڈے۔

شیریں کب کی سو چکی تھی۔ سمندر سے آنے والی ہوائیں پردے جھلا رہی تھیں اور لیلیٰ کے کان کائنات کی دھڑکتی خاموشی کو غور سے سُن رہے تھے۔

ابھی کل شام تک وہ بالکل بچہ تھی اُسے کالج کی کتابیں سہیلیاں وہاں کے مشغلے دل وجان سے عزیز تھے اور آج جیسے کالج لکڑیوں کا چھلا ہوا پھونس تھا جو فضول سمجھ کر پھینک دیا جاتا ہے۔

آج اُسے یہ مہینے کا آخری ہفتہ پچھلے جنم کا کوئی دن لگ رہا تھا۔

صرف چوبیس گھنٹے میں زندگی کی تمام قدریں بدل چکی تھیں۔

آج اُسے ایک عجیب سا واقعہ یاد آرہا تھا۔ ان دنوں ابا جی کویت سے آئے ہوئے تھے۔ وہ سب صحن میں بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ پھر فلموں کی باتیں ہونے لگیں۔ تو ابا جی بولے ——— "ارے بابا تم لوگوں نے کیا فلمیں دیکھنا ہیں فلمیں تو نیو تھیٹرز سے بن کر آیا کرتی تھیں۔ فلمیں تو بروا اور سہگل سے بنتی تھیں۔"

"ابا جی وہی سہگل جس کی غزلیں ریڈیو پر لگتی ہیں؟" ککو نے پوچھا تھا۔

ابا جی عربوں کا لمبا سا چغہ پہنے ہوئے تھے۔ کویت سے واپسی پر ایسے کئی توب ان کے ساتھ ہوتے ——— جنہیں کئی بار ان کی غیر موجودگی میں لیلیٰ اور شیریں پہن کر ڈرامے کیا کرتی تھیں۔ کویت سے صرف روپیہ، ریشمی کپڑا اور سونا ہی نہیں آتا تھا وہاں سے عرب تہذیب کے کچھ ایسے جزو بھی ان کے فلیٹ میں آ گئے تھے جن کے بغیر اب اس گھر کا ماحول مکمل نہ تھا جو غے کو ٹانگوں پر ٹھیک کرتے ہوئے ابا جی نے کہا ——— "تم سہگل کو بطور گلوکار جانتی ہو۔ اور ہم اسے ایک عظیم ایکٹر کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اگر تم نے اس کا فلم دیوداس دیکھا ہوتا تو.....۔"

لیلیٰ اُن دنوں فلمی رسالے بہت پڑھتی تھیں فوراً بول اُٹھی ـــــ "ابا جی اسی نام کا ایک فلم آج کل ہندوستان میں بن رہا ہے ـــــ اور اس میں دلیپ کمار ہے ابا جی دلیپ کمار!"

"ارے بابا اب کیا دیوداس بنے گا ـــــ! وہ فلم ایک بار بن گیا تھا غلطی سے کہیں"

پھر اُسی رات جب کھانا کھانے کے بعد ابا جی اپنے بستر میں لیٹ گئے تو لیلیٰ نے اُن سے دیوداس کی کہانی سُنی ـــــ کہانی سننے کے بعد اس پر ذرا سا بھی تو اثر نہ ہوا تھا۔ اور وہ کتنی ہی دیر بیٹھی سوچتی رہی تھی کہ آخر من کا میت جب نہیں آتا تو ایسی چنتا کیوں لگ جاتی ہے! انسان زندگی سے اتنا بے پروا کیوں ہو جاتا ہے کہ اُسے ٹھیک طور سے سیڑھیاں بھی نظر نہیں آتیں اور وہ لڑھکتا ہوا یوں گرتا ہے کہ پھر اٹھنے کی سکت باقی نہیں رہتی!

لیکن آج رہ رہ کر اس کی نظروں کے سامنے دیوداس کی اس محبوبہ کا نقشہ آرہا تھا جو تھال میں پھل پھول لئے پوجا کو جاتی ہوگی ـــــ جس کے من کا میت جب نہ آیا تو اس نے واویلا مچایا نہ شور کیا بلکہ سونی راہوں پر آخری نظر ڈال کر سسرال رخصت ہو گئی۔ زندگی کے بھرپور تقاضوں کو پورا کرتی رہی۔ اپنے شوہر کے جوان سال بیٹے کی ماں بنی اور کچھ نہ بولی ـــــ

لیکن ایک دن جب من کا میت نشے میں مست بیل گاڑی موڑ کر اس کے دوار آیا۔ وہ اپنے دیوداس کو ملنے چلی لیکن محبت نے اس کی آنکھیں دھندلا دیں اور وہ سیڑھیوں سے یوں لڑھکی کہ اس کا جسم تو من کے میت کا استقبال نہ کر سکا لیکن اس کی روح چتا کی آگ میں پہنچ کر جلائی گئی اور وہاں پہنچ گئی جہاں محبت پر خاموشی کا پہرہ نہ تھا

جہاں من کے میت کے بچھڑنے کا خوف نہیں تھا ـــــ جہاں انتظار کی گھڑیاں نہیں تھیں!

لیلیٰ نے نگاہیں اندھیرے میں لپٹی ہوئی سڑک پر ڈالیں۔ ابھی یہاں سے اُس کے من کا میت آہی تو جائے گا کچھ ہی دور بندر روڈ کی کچھ بتیاں اب بھی جگمگا رہی تھیں۔ وہاں سے دبا دبا شور یہاں تک پہنچ رہا تھا لیکن لیلیٰ کا اس گہما گہمی سے کچھ تعلق نہ تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آج سے پہلے مجھے اس تنہائی کا احساس کیوں نہ تھا؟ آج سے پہلے میں نے کسی من کے میت کی چاہ کیوں نہ کی تھی، آج سے پہلے مجھے زرقا آپا کی خوش بختی پر رشک کیوں نہ آیا تھا؟ ایک دن ـــــ محض چوبیس گھنٹوں نے اُسے اس کے کھوکھلے وجود بے معنی انداز زیست اور غلط نظریوں کا احساس دلا دیا تھا۔

لیلیٰ کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا شام سے وہ ایک اضطراب بھری کیفیت میں جئے جا رہی تھی شام کو سینما گھر میں اس نے دو گولیاں اسپرو کی نگلی تھیں لیکن کچھ بھی افاقہ نہ ہوا تھا۔ پھر اس نے ذہن پر زور ڈال کر سوچا کہ آخر میں نے وہ باقی گولیاں کہاں رکھی تھیں؟ اور جب اسے یاد آگیا تو وہ پردہ اٹھا کر اماں جی کے کمرے میں گئی تھی۔

مجو بھائی گردن جھکائے کمرے سے نکل رہے تھے۔

لیلیٰ دبے پاؤں واپس لوٹ آئی اور پھر کھڑکی کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد ڈرائینگ روم میں کھلبلی مچ گئی۔ چیزوں کے گرنے پڑنے کی آواز آئی۔ کتابیں پٹاخ پٹاخ گریں اور پھر سوٹ کیس بند کرنے کی ہلکی سی آواز آئی۔ لیلیٰ کا دل زور زور سے بجنے لگا۔

kitaabiyat.bl

یہ ساتھ والے کمرے میں کیا ہو رہا ہے اس نے سوچا۔

اگر یہ آج کا دن نہ ہوتا تو شاید وہ دندناتی ہوئی مجو بھائی کے کمرے میں چلی جاتی۔ لیکن اب وہ بڑی لڑکی ہو گئی تھی۔ اب یوں دلیرانہ کسی کے کمرے میں جانا اس کے لئے ممکن نہ رہا تھا۔

معاً اس کی نظر نیچے سڑک پر جانے والے پر پڑی۔

جانے والے نے کمر پر ایک اٹیچی کیس اٹھا رکھا تھا بغل میں ایک گٹھڑی تھی اور اس نے شلوار پہن رکھی تھی اس کا قد مجو بھائی جتنا تھا اور چال بالکل ویسی تھی۔ وہ اسی بلڈنگ میں سے نکل کر کہیں جا رہا تھا لیلیٰ کا دل دھک سے رہ گیا۔

اس نے آہستہ سے ڈرائینگ روم کا دروازہ کھولا ——

مجو بھائی جا چکے تھے اور سارے میں ویرانی اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اُس کے اپنے ایک ہاتھ میں گرم ہاتھ کا لمس سنسانے لگا۔

لیلیٰ اپنے کمرے میں واپس آگئی اور چپ چاپ بستر پر لیٹ گئی۔

❖ ❖ ❖

صبح جب زرقا کی آنکھ کھلی تو گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔

اور کوئی زور زور سے اس کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ رات دیر تک روتے رہنے کے باعث اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور سر میں درد تھا۔ اُس کا بند بند دکھ رہا تھا اور حلق میں عجیب قسم کی کڑواہٹ تھی۔

اس نے اپنی لٹکی ہوئی چوٹی کو ہاتھ سے تکیئے پر کھینچتے ہوئے آہستہ سے کہا —— "توبہ صبح ہی صبح کیا ہو گیا ہے شیریں آہستہ بولو خدا کے لئے آہستہ۔"

شیریں نے اس کے دروازے کے ساتھ منہ لگا کر آواز دی ——— "آپا! ——— زرقا آپا رات چوری ہو گئی..... دروازہ کھولیئے جلدی"

دوپٹہ اوڑھے بغیر زرقا نے پٹاخ سے دروازہ کھول دیا۔ ککو رانی، اماں جی اور لیلیٰ سب صحن میں جمع تھیں۔ سفید بڑا ٹرنک برآمدے میں پڑا تھا اور ایک چادر اور چند ایک ربن فرش پر دھرے تھے۔ سب کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اماں جی کے پاس ہی ان کی ایک عزیز سہیلی بڑا لمبا سا چہرہ بنائے کھڑی تھی۔

زرقا کو دیکھتے ہی اماں چلائیں ——— "دیکھا تم نے اس مجو حرامزادے کے کرتوت ———"

"کیا ہوا اماں؟" وہ دل پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھی۔

ککو نے جلدی سے کہا ——— "آپا..... آپا مجو بھائی آپ کا سارا جہیز چرا کر لے گئے۔"

"کون کہتا ہے؟" زرقا نے بپھر کر پوچھا۔

"اس کے کرتوت کہتے ہیں۔ اور کون کہے گا! بھلا راتوں رات کہاں غائب ہو گیا حرامزادہ"

"اماں ———" زرقا نے رات کی تفصیلات بیان کرنے کے لئے منہ کھولا۔

"رہنے دو" ——— اماں کڑک کر بولیں "ڈونگری صاحب کے گھر جا کر حبیب کو فون کرو۔"

"مجو ایسا نہیں کر سکتے اماں ——— مجو....."

"خاموش رہو آئی بڑی مجو کی طرفدار ——— دیکھئے بہن رات میری آنکھ پل بھر کے لئے کھلی تو میں دیکھا تھا ——— مجھے خیال ہوا شاید اسپرو کی گولی لینے آیا

ہے ـــــ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ کم بخت زرقا کے جہیز پر ہاتھ صاف کرنے آیا ہے ـــــ بدمعاش شہدا ـــــ؟"

"لیکن جہیز تو اُسے ہی ملتا ـــــ اگر آپ ....." امی کی سہیلی رک رک کر بولیں۔

"بس جی اس سے اتنی دیر بھی برداشت نہ ہو سکی ـــــ ارے شیریں تُو وہاں کیا کھڑی ہے فون کیا حبیب کو! ـــــ"

"ہاں اماں جی کر آئی ہوں وہ آتے ہی ہوں گے اب ـــــ"

پھر اماں جی اپنی سہیلی کو اپنی تمام نیکیاں اور بہن کی ساری غریبی کا کچا چٹھہ سنانے بیٹھ گئیں۔ ککو اور رانی خالی ٹرنک کو بار بار کھولتیں اور ربن جھاڑ کر واپس ڈال دیتیں۔ ویسے انہیں اس چوری نے اتنی مسرت تو بخش دی تھی کہ آج سکول جانا موقوف ہو گیا تھا۔

زرقا ہولے ہولے ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گئی۔

ابھی کل زندگی کتنی پُر بہار تھی۔ اس کے چھوٹے اٹیچی میں مجو کے خط تھے۔ اس کے دل میں یادوں کے خزینے تھے اور اب یہ سارے خط یہ تمام یادیں ایک دم ملوث ہو کر سخت گھناؤنی ہو گئی تھیں۔ اس کی نظروں میں وہ شعبدہ باز مجو گھوم رہا تھا جو ساحل کنارے تاش کا پتہ غائب کر رہا تھا ـــــ اس کے ہاتھوں میں تاش کے پتوں کی چلت پھرت اتنی تیز تھی کہ یوں لگتا تھا جیسے وہ ازل کا رہزن ہے ـــــ تب زرقا کو خیال آیا تھا کہ مجو تاش کے پتے کی طرح میرا دل غائب کر کے لے گیا اور اب ـــــ اب وہ سوچ رہی تھی مجو؟.....

مجو کیا صندوقوں میں سے چیزیں بھی غائب کر سکتا ہے..... کیا مجو..... کیا مجو..... لیکن اس کا دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا۔ مجو ایسے نہیں کر سکتا ـــــ

مجو یوں نہیں کر سکتا ـــــ مجو دیوتا نہ ہو لیکن مجو انسان تو ہے ـــــ اور انسان اتنے رذیل نہیں ہوتے ـــــ

جب وہ فلیٹ کی سیڑھیاں اترنے والی تھی تو لیلیٰ دروازہ کھول کر اس کے مقابل آگئی۔ لیلیٰ کی آنکھوں میں تازہ آنسوؤں کی چمک تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا

"آپا ـــــ کہاں چلی ہو؟"

"نیچے ـــــ"

"کیوں آپا؟ ـــــ" لیلیٰ نے پوچھا۔

پھر اس کی نظریں تنگ ہو گئیں اُس نے زرقا کے کان پر سے بال اٹھائے اور آنکھیں سکوڑ کر بولی ـــــ "آپا رات مجو بھائی سٹور میں گئے تھے کیا؟"

زرقا نے نگاہیں جھکا کر بمشکل تمام کہا ـــــ "ہاں ـــــ"

لیلیٰ لب بھینچ کر جیسے اپنے آپ سے بولی ـــــ "اب مجھے یقین ہو گیا ہے ـــــ اب مجھے یقین ہو گیا ہے۔"

"کس بات کا یقین لیلیٰ؟" زرقا نے پوچھا۔

"آپ کا ٹاپس کہاں ہے، بائیں کان کا ـــــ؟"

زرقا نے لمحہ بھر کو اپنے آپ کو جھٹلانا چاہا جیسے ٹاپس اپنی جگہ پر موجود ہو! لیکن پھر اس نے آہستہ سے ہاتھ اٹھایا اور خالی کان کی لو کو چھو کر ہاتھ گرا دیا۔

لیلیٰ بولی ـــــ "رات جب مجو بھائی آماں کے کمرے سے نکلے ہیں میں بھی وہاں گئی تھی۔ مجھے اسپرو کی ضرورت تھی ـــــ لیکن انہیں جاتا دیکھ کر میں لوٹ آئی پھر میں کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی آپا ـــــ اور میں نے مجو بھائی کو فلیٹ سے اترتے دیکھا۔ ان کی پیٹھ پر ایک اٹیچی کیس اور بغل میں کوئی گٹھڑی سی تھی ـــــ اب میں چپ نہ رہوں گی..... اب میں چپ نہ رہوں گی ـــــ